Vol.6 No.3 2023

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

خدیجہ مستور اور ہاجرہ مسرور پرولتاری طبقے کی نمائندہ افسانہ نگار

Khadija Mastoor and Hajra Masroor, fiction writers representing the proletariat

سیدہ حمیرا عابد

پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی

ڈیرہ اسماعیل خان

ڈاکٹر محمد شفیق آصف

صدر شعبہ اردو وانچارج ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز اینڈ ہیومینیٹیز

یونیورسٹی آف میانوالی

Abstract

Khadija Mastoor and HajraMasroor were very prominent fiction writers in the history of literature. KhadijaMastoor is known as progressive writer in the literary circle whereasHajraMsroor have the same style and diction in her writing best upon the realism of poor people life. In this essaythe roll of both writers in being described in the perspective of their progressive writings. It is highlighted that both writers have contributed a lot of establish the realistic approach in short story writings. It is also described the comparative study of both sisters to establish their sound commitment to the lower classes accordingly. The essay will bring to the light the roll of both writers in details.

Key words: Khadija Mastoor, Hajra Masroor, Bourgeois, Proletarian, Urdu Fictional Women, Progressive Movement, Natural Writers, Bronte Sisters, Feminists

خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور، بورژوائی، پرولتاری، اُردو افسانہ نگار خواتین، ترقی پسند تحریک، نیچرل رائٹرز، برونٹے سسٹرز، تانیث نگار

کہانی زندگی ہے:

ادب اور زندگی کا گہرا رشتہ ہے۔ سیاسی، سماجی، اقتصادی اور اخلاقی سطح پر آنے والے نشیب و فراز سے ادبی موضوعات کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ ہر انسان اپنے ماحول سے وابستہ اور اراضی رشتوں سے جڑا ہوتا ہے اس لیے حادثات و سانحات کہیں براہ راست اور واضح انداز میں اور کہیں پس منظر میں رہ کر اس پر اثر انداز ہوتے ہیں اور انہیں حادثات و سانحات اور واقعات کے زیر اثر ادب میں بے شمار موضوعات جنم لیتے ہیں

اردو افسانے کی روایت میں آغاز سے لے کر عہد حاضر تک بے شمار افسانہ نگاروں نے افسانے کی روایت میں اپنا حصہ شامل کیا اور افسانے کے دامن کو رنگا رنگ سینکڑوں موضوعات سے سجایا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ اردو افسانے کا دامن موضوعات کے حوالے سے بہت وسیع ہے۔ حیات و کائنات کا شاید ہی کوئی ایسا پہلو ہو جس پر اردو افسانہ نگاروں نے خامہ فرسائی نہ کی ہو۔ زندگی، موت، غم والم، خوشی و شادمانی، سیاست، مذہب، معاشرتی مسائل، انسانی نفسیات، تہذیبی توڑ پھوڑ، انسانی زندگی کے ارتقاء کا سفر، شہری و دیہاتی زندگی کے مسائل، معاشرے کے مختلف طبقوں کی حالت زار، معاشرتی ناہمواری، انسانی جذبات، رومان، حقیقت، تصوف الغرض ہر قسم اور ہر نوعیت کا موضوع اردو افسانے کا حصہ نظر آتا ہے۔ دیگر اصناف ادب کی طرح افسانے میں بھی داخلی و خارجی زندگی کے بے شمار مناظر موضوع بنتے ہیں۔ افسانہ نگاروں نے سیاسی، سماجی و نجی زندگی کے مختلف زاویے اور رخ بے نقاب کیے ہیں حتیٰ کہ پند و نصائح اور اخلاق و موعظت پر مبنی افسانے بھی لکھے گئے۔

Vol.6 No.3 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور مختصر تعارف:

اردو افسانے کی تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو افسانہ نگاری کے افق پر سینکڑوں روشن اور چمکدار ستارے آب وتاب سے جلوہ نما نظر آتے ہیں۔انہیں جگمگاتے ستاروں کے جھرمٹ کے دو اہم نام خدیجہ مستور اور ہاجرہ مسرور ہیں۔خدیجہ مستور اور ہاجرہ مسرور ایک ہی آنگن کے دو پھول ہیں۔یہ دونوں خواتین اوپر تلے کی بہنیں تھیں۔اردو ادب کی دنیا میں برونٹے سسٹرز کے نام سے جانی جانے والی یہ افسانہ نگار خواتین (بریلی) ہندوستان کے ایک متوسط (یوسف زئی) خاندان کی چشم وچراغ تھیں۔ان کے والد کا نام تہور احمد خان تھا اور وہ برٹش فوج میں بحثیت ویٹنری ڈاکٹر تعینات تھے۔تہور احمد خان ایک علم دوست اور فراخدل انسان تھے۔بقول خدیجہ:

"والد سرکاری ملازم ہونے کے باوجود بہترین سیاسی بصیرت اور اعلی ادبی ذوق کے مالک تھے۔گھر پر علم وادب کی کتابوں کا بہت بڑا خزانہ رکھنے کے باوجود وہ علم وادب کی طرف زیادہ مائل نہ ہوسکے لیکن وقتا فوقتا مختلف اخبارات ورسائل میں مضامین لکھتے رہے۔" (۱)

ان کی والدہ انور جہان صدیقی بھی ادب سے شغف رکھنے والی باذوق خاتون تھیں۔ان کے مضامین اس دور کے ادبی رسائل میں چھپتے تھے۔لہذا خدیجہ اور ہاجرہ کے ادبی ذوق کو جلا بخشنے میں بہت بڑا ہاتھ ان کے گھریلو ادبی ماحول کا بھی رہا۔والدین چونکہ خود ادب سے لگاو رکھتے تھے اس لیے گھر پر کتب کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود تھا جس سے ان دونوں بہنوں نے خب استفادہ کیا۔بقول ہاجرہ:

"ہمارے ہاں بچوں کو کتابوں کی الماریوں میں ہاتھ ڈالنے کی اجازت تھی اس لیے بچوں کے رسالے پڑھ کر ختم کر لیتے تو جو ملتا پڑھنے لگتے۔اس زمانے کے تقریبا سبھی اہم ادبی ،مذہبی اور دو ایک زنانہ رسائل ہمارے ہاں باقاعدگی سے منگوائے جاتے تھے۔کچھ پلے پڑے یا نہ پڑے ان سب کو پڑھ ڈالنا میرا مشغلہ تھا۔یہی عالم اخبار بینی کا تھا۔" (۲)

خدیجہ ابھی صرف نو برس کی تھیں جب ان کے والد تہور احمد خاں انتقال کر گئے۔تہور احمد خاں کی ناگہانی موت کے بعد اس خاندان کو بہت برے مالی حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ان حالات میں خدیجہ اور ہاجرہ کے لیے باقاعدہ تعلیم جاری رکھنا ممکن نہ رہا۔چنانچہ ان دونوں بہنوں کی تعلیم حالات کی ستم ظریفی کی نظر ہو گئی اور ان کا تعلیمی سلسلہ منقطع ہو گیا۔ناموافق حالات کے باوجود ان دونوں بہنوں نے ہمت نہیں ہاری اور باقاعدہ کوئی بڑی ڈگری حاصل نہ کرنے کے باوجود اپنی کوششوں سے اپنے علم میں اتنا اضافہ کیا کہ بڑی بڑی ڈگریاں لینے والوں کو بھی مات کر گئیں۔

بچپن ہی سے یہ دونوں بہنیں مطالعے کی شوقین تھیں۔اپنے ادبی سفر کا آغاز بھی انہوں نے بچوں کے رسالوں میں کہانیاں لکھنے سے کیا۔ان کی کہانیوں کو خوب پذیرائی ملی اور یوں یہ سلسلہ بچوں کی کہانیوں سے آگے بڑھتا ہوا افسانہ نگاری، ناول نگاری اور ڈرامہ نویسی تک پہنچا۔خدیجہ کے پہلے افسانے کا نام "صہبا" اور ہاجرہ کے پہلے افسانے کا نام "لاوارث لاش" تھا۔ان دونوں کے ابتدائی افسانے مختلف ادبی رسائل مثلا ساقی، خیام اور عالمگیر میں شائع ہوئے۔بچوں کے رسائل سے لے کر اہم ترین ادبی شماروں تک پہنچنے کے لیے ان دونوں بہنوں نے کڑی محنت کی۔جس عمر میں لڑکیاں گڑیوں کو بیاہتی تھیں خدیجہ اور ہاجرہ نے اس عمر میں کہانیاں لکھنی شروع کیں۔انہوں نے جو کچھ اپنے ارد گرد دیکھا اسے نہایت سادگی، خلوص اور صداقت سے صفحہ ءقرطاس پر اتارا۔اردو ادب کے ثقہ قارئین کے لیے ابھی ڈاکٹر رشید جہاں اور عصمت چغتائی کا صدمہ ہی کم نہ تھا (جنہوں نے زندگی کے ڈھکے چھپے گوشوں کو عریاں کر دیا تھا) کہ ان کے بعد خدیجہ اور ہاجرہ نے بھی وہی روش اختیار کی۔انہوں نے جس طرح اپنے پڑھنے والوں کہ چونکایا یہ ان کی کامیابی تھی۔قرانۃ العین حیدر ان دونوں بہنوں کو نیچرل رائٹر کہتی تھیں۔"کار جہاں دراز ہے" میں انہوں نے لکھا ہے:

"ان کے یہاں آورد کی بجائے آمد ہی آمد تھی اور ان کے افسانے اردو کے افسانوی ادب میں ایک اضافہ ثابت ہوئے۔یہ لکھنؤ کے ایک قدامت پسند گھرانے میں پردہ نشین رہیں اس کے باوجود انہوں نے بڑی بے خوفی سے ایسے افسانے لکھنے شروع کیے جن کی وجہ سے انہیں عصمت چغتائی کی مقلد کہا گیا۔" (۳)

خدیجہ اور ہاجرہ کے حوالے سے گزرے ہوئے زمانے پر نظر ڈالئے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کی زندگی کا ابتدائی حصہ چھوٹے چھوٹے قصبوں اور چھوٹے شہروں میں گزرا۔جہاں انہوں نے نچلے طبقے کی مجبور و مقہور زندگی کو بہت قریب سے دیکھا۔کچھ بچپن ہی سے انہیں اپنے طبقے کے ہم عمر بچوں سے کچھ خاص لگاو نہ تھا۔خاص طور پر خدیجہ کی اصل مقبولیت تو قصبے کے چماروں، بھنگیوں اور چپڑاسیوں کے بچوں میں تھی اور ہاجرہ ہر جگہ خدیجہ کے ساتھ ساتھ ہوتیں۔ان کے مزاج کی یہ خصوصیت تاحیات برقرار رہی۔وہ جہاں بھی مقیم رہیں ان کی دوستی اور تعلقات اپنی قیام گاہ کے آس پاس کوارٹروں، جھونپڑوں اور چھپروں میں رہنے والی ان عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ انتہائی دوستانہ رہے جنہیں

Vol.6 No.3 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

لوگ نفرت سے چوہڑوں، چماروں کی عورتیں قرار دیتے تھے اور ان سے تعلق رکھنا اپنی توہین تصور کرتے تھے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ ان دونوں بہنوں نے معاشرے کے اس پسے ہوئے طبقے کی زندگی کے مسائل، مشکلات اور ان کی زندگیوں کے تلخ حقائق کو اپنا موضوع سخن بنایا۔ انہوں نے اپنی تحریروں سے معاشرے کے اس کریہہ روپ کو بے نقاب کیا جو ان جیتے جاگتے انسانوں کو اشرف المخلوقات کے مرتبے سے نیچے گرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

پرولتاری طبقہ کے نمائندہ افسانے:

خدیجہ کی فنی صلاحیتیں خداداد ہیں جن کی بدولت ان کے فن میں ایک گہرائی اور مہارت نظر آتی ہے۔ وہ معمولی کو غیر معمولی اور غیر معمولی کمتر درجے کے موضوع کو خاص اہمیت کا حامل بنانے میں قدرت رکھتی ہیں۔ اگرچہ سماجی حقائق اور مسائل کو ترقی پسند ادیبوں اور افسانہ نگاروں نے خوب بیان کیا ہے لیکن جب یہی حقائق خدیجہ کے ہنر مند ہاتھوں میں پہنچتے ہیں تو خاص سانچے میں ڈھلتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم ان کے پیش کردہ موضوعات اور دیگر افسانہ نگاروں کے موضوعات میں اک فرق محسوس کرتے ہیں۔ اردو افسانے کی حقیقت پسند روایت کے استحکام میں خدیجہ کا نمایاں حصہ ان کی پرولتاری کہانیوں پر مشتمل ہے۔ بورکا۔۔۔ ڈولی۔۔۔ تھکے ہارے۔۔۔ خرمن۔۔۔ دل کی پیاس۔۔۔ تلاش گمشدہ۔۔۔ دادا۔۔۔ چلی پی سے ملن۔۔۔ چیلیں۔۔۔ دس نمبری وغیرہ ان کی کامیاب پرولتاری کہانیاں ہیں۔

افسانہ "بورکا" میں خدیجہ نچلے طبقے کے اک فرد کی تباہی کے پس منظر کو واضح کرتی نظر آتی ہیں۔ رحیم جسے سب بدصورت جان کر بورکا کہتے ہیں۔ اپنے اصل نام سے پکارے جانے کا متمنی ہے۔ وہ جس کوٹھی میں کام کرتا ہے وہاں کے لوگ عناد سے نہیں بلکہ اپنی غیر شعوری بالاتری کے سبب اس کو بورکا کے حقیر نام سے پکارتے ہیں۔ ان کا دیا کھانے کی وجہ سے وہ اپنی اس تحقیر پر خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے پر زبان نہیں کھولتا۔ لیکن خانسامن اور پھر ایک دن اپنی بیوی کے منہ سے اپنے لیے یہی لفظ سن کر اس کا ضبط ٹوٹ جاتا ہے:

"کیا کہتے ہیں تم کہ سب لوگ؟ بورکا نے میری طرف دیکھا اور پھر اپنی بیوی کو گھورا۔۔۔ ہم نہ کہیں بورکا۔ وہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔۔۔ وہ اس کی طرف لپکا اور خوب زور زور سے مارنے لگا۔۔۔ مجھے مارتا ہے، مارلے بورکا! جو تیرے پاس رہ جاوں تو اپنے باپ کی نہیں۔" (۴)

اور یہاں اس کردار کی عائلی زندگی کی تباہی شروع ہوتی ہے۔ اس کی بیوی گھر چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ رحیم اس کی تلاش میں نکل جاتا ہے اور اس کی جگہ نیا ملازم رکھ لیا جاتا ہے۔

"صبح جب آنکھ کھلی تو نیا ملازم کام کر رہا تھا۔ اماں ماتھا پیٹ کر کہہ رہی تھیں۔ ہے یہ تو بلکل بانگڑو ہے۔ بانگڑو ہے۔۔۔ بانگڑو ہے۔۔۔ بڑے بھیا تالیاں پیٹ رہے تھے۔" (۵)

"بورکا" میں بالائی طبقے کی معمولی حرکات سے ایک خاندان کو تباہ ہوتے دکھایا گیا ہے۔ جبکہ دوسری طرف بے حسی کی انتہا ہے کہ کسی کو اس غریب آدمی کی تباہی کا احساس تک نہیں بلکہ اس کی جگہ نیا ملازم رکھ لیا جاتا ہے۔ اور اسے بھی اک نئے نام سے نواز دیا جاتا ہے۔

اسی طرح افسانہ "ڈولی" میں بھی مزدوری سے پیٹ پالنے والے ایک خاندان کی تباہی و بربادی کا سبب بالائی طبقے کے ایک نوجوان کی عیش کوشی کو دکھایا گیا ہے۔ ڈولی اک مہترانی کی نوعمر لڑکی ہے جو بار بار اپنی مالکن کے بیٹے کی جنسی ہوس کا نشانہ بنتی ہے۔ اپنے ناکردہ جرم کی پاداش میں اپنے خاندان والوں کے شدید تشدد کا نشانہ بنتی ہے۔ بار بار اسقاط حمل، اپنی کم عمری، خوراک اور علاج کی کمی کے باعث بلآخر وہ موت کے منہ میں پہنچ جاتی ہے۔ مالکن کی ڈانٹ پھٹکار اور لعنت ملامت سہتی ہے لیکن ڈر کے مارے زبان سے ایک لفظ نہیں نکالتی اور بدکرداری کی تہمت اپنے ماتھے پہ سجائے اس دنیا سے رخصت ہو جاتی ہے۔ خدیجہ افسانے کے اختتام میں نچلے طبقے کی بے بسی اور بالائی طبقے کی بے حسی پر زبردست چوٹ کرتی ہیں:

"ڈولی کے سفید ہونٹ برابر لرز رہے تھے۔ میں نے اس کے انگارے جیسے ہاتھ کو پکڑ کر چھوڑ دیا۔۔۔ اب تم کو کسی دوا کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اب کوئی مار مار کر تمہارا چہرہ نہیں بگاڑ سکے گا۔۔۔ "(۶)

"وہ بخار کی شدت میں بڑبڑا رہی تھی۔۔۔۔ میں تمہارا نام کسی کو نہ بتاوں گی۔ پر میرے بابو جی اب تم مجھے نہ چھونا۔ اب مجھ سے دکھ نہیں جھیلا جاتا۔۔۔۔ " (۷)

خدیجہ کے افسانہ "تلاش گمشدہ" کا رفیق ایسے لوگوں کا نمائندہ کردار ہے جو بڑھاپے میں بھی اپنی مجبوریوں کی وجہ سے کام کرتے ہیں۔ وہ مزدور جن میں ضعف کی وجہ سے بھاری بھاری ٹوکرے اٹھانے کی سکت نہیں لیکن اپنے کنبے کا پیٹ پالنے کے لیے انہیں یہ بوجھ اٹھانا پڑتا ہے۔ خدیجہ ایسے مزدوروں کی بے بسی کو ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں:

Vol.6 No.3 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"جب وہ آخری ٹو کرا لے جا رہا تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ اس کا سر اس گائے کا سینگ ہے جس نے سارا بوجھ اٹھار کھا ہے۔ اور جب وہ تھک کر دوسرا سینگ بدلتی ہے تو دنیا کے کسی نہ کسی گوشے میں زلزلہ آجاتا ہے۔ اگر اس نے تھک کر بوجھ کو اتار دیا تو ضرور بھوک اور آنسوؤں کا بھونچال آجائے گا۔ گائے کے تو دو سینگ ہیں۔ مگر اس کا صرف ایک سر ہے۔ اسے یہ بوجھ اٹھائے رکھنا ہے۔"(۸)

رفیق کی زندگی کا یہ المیہ ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ کیا کبھی وہ وقت آئے گا جب رفیق جیسے بے بس اور لاچار افراد کے بچوں کا مستقبل محفوظ ہو سکے گا۔ اور وہ آرام سے بڑھاپے کی زندگی گزار سکیں گے۔

خدیجہ کو انسانوں سے دلی ہمدردی ہے۔ وہ اس مخلوق کو اک بلند درجہ پر دیکھنا چاہتی ہیں۔ وہ ان کی پستی، غربت، اخلاقی کمزوریوں سے نفرت نہیں کرتیں بلکہ ان مجبور اور لاچار انسانوں کے دکھ درد میں برابر کی شریک ہونا چاہتی ہیں۔ وہ ان انسانوں کو اپنے افسانوں میں ایسے پیش کرتی ہیں کہ ان سے نفرت یا کراہیت کی بجائے ہمدردی محسوس ہونے لگتی ہے۔ وہ صرف حقیقت نگاری کی خاطر جنسیت کی دلدل میں کودنا منظور کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں فیض احمد فیض لکھتے ہیں:

"جنسی معاملات کی منظر کشی میں بھی ان کی نظر لذت کے کسی پہلو کی بجائے ہمیشہ دکھ کے کسی پہلو پر پڑتی ہے۔"(۹)

جنسی بے راہروی جیسے موضوع کی عمدہ مثال خدیجہ کا افسانہ "لاشیں" ہے۔ اس افسانے میں خدیجہ ہمیں ایسی عورتوں سے روبرو کرتی ہیں۔ جو بھوک اور افلاس سے مجبور ہو کر اس راستے پر قدم رکھتی ہیں۔ لیکن خدیجہ کا مثبت و منفرد انداز ہمیں ایسے گھناونے فعل کی مرتکب ہونے والی ہستیوں سے نفرت کرنے کی بجائے ہمارے دلوں میں ان کے لئے ہمدردی کے جذبات ابھارتا ہے۔ وہ ان لاچار اور مجبور عورتوں کی بے بسی کہ ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں:

"روٹی ہی تو زندگی ہے۔ جب یہ بھی نہ ملے تو انسان لاش نہ ہو جائے۔ تو کیا ہو؟

بھوک! بھوک! برسوں کی سخت بھوک نے ان کی روحوں کو کچل کر لاشیں بنا دیا۔ لیکن کب تک۔۔۔؟

آخر کار ان کی روحیں زندگی کا لباس اوڑھنے کی بجائے بھوت بن کر سروں پر منڈلانے لگیں۔ انہوں نے ستیش کی بانسری توڑ ڈالی۔ احمد کا گلا گھونٹ دیا۔ جاوید کا وائلن چھین لیا۔" (۱۰)

خدیجہ افراد کے افعال و اعمال کو ان کے سماجی و معاشی پس منظر میں رکھ کر ان کے دکھ درد سے ہمدردی کرتی ہیں۔ اور ان افعال کی ذمہ دار یا افراد پر نہیں بلکہ معاشرے پر ٹھہراتی ہیں۔ خدیجہ کے مطابق عورت سماجی دباو اور معاشی مجبوریوں کے ہاتھوں بے بس ہو کر اپنے منصب سے گر کر ایسے مکروہ فعل کی مرتکب ہوتی ہے۔ اپنا جسم بیچتی ہے اور اپنا اور خود سے جڑی زندگیوں کے پیٹ کا دوزخ بھرتی ہے۔ خدیجہ جب اس موضوع پر قلم اٹھاتی ہیں تو معاشرے کی ان کڑوی سچائیوں کو بے نقاب کرتی ہیں جو ایک عورت کو اپنے منصب سے گرنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ خدیجہ کا افسانہ "راستہ" ایک ایسی ہی لڑکی کی داستان ہے۔ جو اپنے کنبے کی کفالت کے لیے اپنی خواہشوں، خوابوں اور ارمانوں سے دستبردار ہو جاتی ہے۔ گھر میں بھوت بن کر ناچتی بھوک، بیماری اور افلاس اسے جسم فروشی جیسا غلیظ پیشہ اپنانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ وہ لکھتی ہیں:

"تم بتاؤ اگر میرا بھائی اپنی ماں بہنوں کا بار نہیں اٹھاتا تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ سب بھوکے مرتے ہیں تو مر جائیں۔ اتنے بہت سے بیمار اور بھوکے لوگ بھر گئے ہیں اس گھر میں۔۔۔ جی نہیں چاہتا یہ سب مر جائیں۔ اپنوں کی محبت اندھی ہوتی ہے نا؟ اس نے اپنا چہرہ بازوؤں سے چھپا لیا اور سسکی بھری۔۔۔ دنیا میں اتنی مجبوریاں کیوں ہوتی ہیں سلیم؟"

خدیجہ کے افسانوں کا پس منظر عام طور پر پرولتاری طبقے کے نچلے درجے کے فلاکت زدہ گھر ہوتے ہیں۔ بھوک، بے بسی، ناداری اور بے سروسامانی کا یہ مستقل پس منظر اس طبقے کی چال ڈھال اور اقوال و اعمال میں اس طرح جھلکتا ہے کہ ان کی کوتاہیوں اور کمزوریوں سے ہمدردی کیے بنا نہیں بنتی۔ نچلے طبقے کے جتنے کردار خدیجہ اور ہاجرہ نے اپنے افسانوں میں پیش کیے ہیں وہ دوسرے افسانہ نگاروں کے ہاں نہیں ملتے۔ ہمارے اکثر افسانہ نگاروں نے متوسط طبقے سے ہی علاقہ رکھا ہے۔ یہ سعادت بس ان دونوں بہنوں کے ہی حصے میں آئی ہے کہ انہوں نے نچلے طبقے کی زندگی کو اس کے جملہ پہلوؤں کے ساتھ اپنے افسانوں میں منعکس کیا ہے۔ ان کے اکثر افسانوں کا کینوس جھونپڑیوں میں زندگی گزارنے والے افراد کی زندگی ہے۔ جہاں ہم احاطے میں چھپ چھپ کرتے بچے دیکھتے ہیں۔ جن کے جسم پر جما ہوا میل نہانے سے اور پھول جاتا ہے۔ ہم ان بچیوں کو دیکھتے ہیں جنہیں اماں ابا کے گھر میں کبھی پیٹ بھر روٹی نہیں ملی، جن سے نہ کبھی کوئی پیار سے بولا، کوٹھیوں میں کام کرتی نوکرانیوں، خانساموں اور مہترانیوں کو دیکھتے ہیں۔ جن کی زندگیوں میں ناآسودگیاں ہی

Vol.6 No.3 2023

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

ناآسودگیاں ہیں۔خدیجہ انہی کرداروں کی مدد سے اپنے افسانوں میں ان گنت معاشرتی سوال اٹھاتی ہیں۔ایسے ہی کرداروں میں سے ایک کردار افسانہ "پانچویں برسی" کی عالیہ ہے۔عالیہ ان بے بس اور بے زبان لڑکیوں کا نمائندہ کردار ہے۔جن کی شادی کی منزل معاشی مجبوریوں کی وجہ سے دور سے دور ہوتی چلی جاتی ہے۔عالیہ متوسط طبقے کے ایک نسبتا خوشحال گھرانے میں پیدا ہوتی ہے۔اس کے ماں باپ اس کے لیے شاندار جہیز جمع کرتے ہیں۔عالیہ کے جہیز کی وجہ سے اس کے لیے رشتوں کی لائن لگ جاتی ہے۔شادی کی تیاری سے کچھ عرصہ قبل عالیہ کا بھائی ٹی۔بی کا شکار ہو جاتا ہے اور عالیہ کا سارا جہیز اس کے بھائی کے علاج کے لیے بک جاتا ہے۔سب جمع جتھا خرچ کر دینے ک باوجود عالیہ کا بھائی (جو باپ کے بعد گھر کا واحد مظبوط سہارا تھا) جان بر نہیں ہو پاتا۔سالوں پہ سال گزر جاتے ہیں وہی مشاطائیں جو اچھے دنوں میں عالیہ کے گھر کے چکر لگاتے نہیں تھکتی تھیں اب اس گھر کے مکدر حالات دیکھ کر ادھر کا رخ نہیں کرتیں۔خدیجہ نے کمال مہارت سے پسماندہ طبقے کے اس المیے کو موضوع سخن بنایا ہے۔جہیز جیسی لعنت کی وجہ سے کئی معصوم لڑکیاں شادی اور گھر کے خواب سجائے ماں باپ کی دہلیزوں پر بیٹھی رہ جاتی ہیں۔لیکن ہمارے سفاک معاشرے کو ان کی کسمپرسی پر رحم نہیں آتا۔معاشرے کے اس رویے پر خدیجہ کچھ تلخ ہو جاتی ہیں۔وہ لکھتی ہیں:

"اس ڈھلتی عمر کی کاہل لڑکی کو کون اپنائے۔۔۔۔

یہ سب اس کے جہیز کا شہرہ تھا۔۔۔۔

کتوں کے سامنے ایک نوالہ روٹی، جہیز کا خاتمہ دریودھن کے پاپ کی طرح مشہور ہو گیا تھا۔" (۱۱)

خدیجہ نے ہمارے افسانوی ادب کو اس نچلے طبقہ کی زندگی سے قریب لا کر نفس مضمون اور اسلوب دونوں حیثیتوں سے فن میں ایک نئی منزل کا پتہ دیا ہے۔اس طبقہ کی زندگی کے ہر پہلو کو خدیجہ نے بڑی مہارت اور چابکدستی سے اپنے افسانوں کے موضوعات کے طور پر استعمال کیا ہے۔پرولتاری کہانیوں کی مد میں خدیجہ کا افسانہ "تھکے ہارے" قابل ذکر ہے۔اس افسانے میں شبراتن کے کردار کے ذریعے خدیجہ نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ نچلے طبقے میں در آنے والی برائیوں کا سرچشمہ دراصل بالائی طبقے کا ان کے حقوق اور مسائل سے تغافل ہے۔اس کردار کے ذریعے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے۔جب سخت محنت سے نچلے طبقے کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں تو وہ خوشامد، فریب دہی، جھوٹ اور مکر سے اپنا حق وصول کرنے کی کوشش کرتا ہے۔"تھکے ہارے" سے اک اقتباس ملاحظہ ہو:

"چھوٹی بی بی آپ کتنی اچھی ہیں۔شبراتن نے کئی بار لڑکی کی تعریف کی۔مگر وہ ہمیشہ یہی کہتی شبراتن تم بھی مجھے اچھی لگتی ہو۔لیکن کبھی ایک آدھ روپیہ خوش ہو کر نہیں دیا۔شبراتن سمجھ گئی کہ اچھائی میں کچھ نہیں رکھا۔" (۱۲)

شبراتن کا کردار بالائی طبقے کے اس مطلبی رویے کہ بھی سامنے لاتا ہے جو نچلے طبقے کے افراد کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ان بڑے گھروں کے بند کمروں میں چوری چھپے بہت سے خفیہ منصوبے چلتے ہیں جن مین نوکروں اور نوکرانیوں کہ رازدار بنایا جاتا ہے۔لیکن کسی بھی اونچ نیچ کے وقت عتاب کا نشانہ صرف گھر کے ملازمین بنتے ہیں۔جبکہ باحیثیت افراد ہر بات سے بری الزمہ ہو جاتے ہیں۔

بالائی طبقے کی بے حسی اور خود غرضی کی ایک عمدہ مثال خدیجہ کے افسانہ "دس نمبری" میں ملتی ہے۔یہاں بیگماں زمیندار کی شہ پر برباد ہوتی نظر آتی ہے۔زمیندار فضلو کی سادگی ،خلوص اور وفاداری کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتا ہے۔اور آخر اک سیدھا سادہ دیہاتی دس نمبر بدمعاشوں کی فہرست میں شامل کر دیا جاتا ہے۔نچلے طبقے کی معاشی مجبوریوں کی اندوہ گینی خدیجہ کے افسانہ "ہینڈ پمپ" میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ہینڈ پمپ کی 'چنی بیگم' شادی کے کچھ مہینوں بعد ہی اجڑ کر واپس اسی دہلیز پر آ جاتی ہے۔جہاں اس کی ماں زندگی بھر ملازمت کرتی رہی۔'چنی بیگم' کی ساری عمر بھی اپنی ماں کی طرح مالکوں کی خدمت گزاری میں کٹ جاتی ہے۔سماج اور وقت کی ستم ظریفی کے ہاتھوں تباہ حال 'چنی بیگم' کا احوال خدیجہ کچھ یوں بیان کرتی ہیں:

"چنی بیگم کا صاف ستھرا چہرہ باورچی خانے کی دھنوائی ہوئی دیواروں کا ایک ٹکڑا معلوم ہونے لگا۔"(۱۳)

سماجی حقیقت نگاری کی بہترین مثال خدیجہ کا افسانہ "چیلیں" ہے۔یہ افسانہ پرولتاری سماج کی المناک زندگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔اس افسانہ میں خدیجہ بھوکے، نادار، بے بس ،فلاکت زدہ نچلے طبقے کی حالات پر بورژوائی سماج کی بے حسی کو طنز کا نشانہ بناتے ہوئے لکھتی ہیں:

Vol.6 No.3 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"جھونپڑوں سے اٹھتاہوانیلگوں دھواں دیکھ کرتھکے ماندے کسانوں کی میلی آنکھوں میں ایک بہیمانہ چمک رہ رہ کرتڑپ اٹھتی ہے۔اف ! بالکل وہی چمک جونانبائی کی دکان کے سامنے منڈلاتے بھوکے کتوں کی آنکھوں میں جنم لیتی ہے"(۱۴)

اسی طرح اک اور جگہ وہ ہمارے سماج کے دوہرے معیار زندگی پر زبردست چوٹ کرتی ہیں۔وہ لکھتی ہیں:

"رات لالا گھنشام کی بھینس مرگئی تھی۔انہوں نے چماروں ک حوالے کردی۔۔۔۔تو یہ لوگ اس بھینس کا گوشت آپس میں تقسیم کررہے ہیں۔۔۔عجیب سوال کیاآپ نے ،کہ کیایہ بہت نادارلوگ ہیں۔یہی کیا یہاں سب ایک ہی حال میں ہیں۔۔۔ناداری کی انتہایہ ہے کہ احساس ناداری بھی مٹ گیا۔"(۱۵)

طبقاتی کشمکش اور معاشی اونچ نیچ خدیجہ کے افسانوں کے اہم موضوعات ہیں۔وہ اپنے گہرے مشاہدے اور عمیق نگاہی سے معاشرے میں پنپتے اس تفاوت اور تضادات کے پس پردہ محرکات اور اس کے نتائج سے پردہ اٹھاتی ہیں۔اور ان وجوہات کو ہمارے سامنے لاتی ہیں جن کی بدولت ہمارے سماجی ڈھانچے میں امیر،امیر تر اور غریب،غریب تر ہی رہتا ہے۔اس طبقاتی تفاوت کو بیان کرتے ہوئے ان کا لہجہ زہر خند ہو جاتا ہے۔لکھتی ہیں:

"ہمارے گاوں میں تین قسم کے جانور آباد ہیں۔کسان یعنی ایسے کیڑے جو پاوں رکھتے ہوئے بھی رینگتے ہیں۔۔۔دوسری قسم ہے بھنگی،چمار اور ایسے ہی بہت سے نیچ ذات،یہ ایسے کیڑے ہیں جن کے پاوں نہیں ہوتے،جیسے کینچوے۔۔۔اور تیسری قسم ہے چیلوں کی۔۔۔"(۱۶)

چیلیں جواڑتی توبلندی پر ہیں۔مگر یہ انتہائی درجے کی مکروہ اور غلیظ ہوتی ہیں۔خدیجہ کے مطابق اسی طرح معاشرے اور سماج کے نام نہاد ٹھیکیدار جو نیکی اور پاکبازی کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔مگر حقیقت میں انہی چیلوں کی طرح مکروہ اور غلیظ کردار کے مالک ہوتے ہیں۔معاشرے میں پنپتی تمام سماجی،معاشی اور جنسی برائیوں کی جڑ اصل میں یہی لوگ ہوتے ہیں۔خدیجہ ان لوگوں کی خصلت چیلوں کے ذریعے اس طرح واضح کرتی ہیں:

"بیک وقت کئی چیلوں نے جھپٹامارااور۔۔۔گوشت لے اڑیں۔۔۔لڑکے کے ہاتھ میں چیلوں کے خاردار پنجے لگنے سے خون نکلنے لگا۔۔۔پر چیلوں کو اس سے کیا مطلب انہیں تو گوشت چاہیے۔۔۔کتنی ہشیار ہوتی ہیں۔یہ ناسمجھ پر توبڑی پھرتی سے جھپٹامارتی ہیں۔"(۱۷)

افسانہ "چیلیں" میں لالاجی،للوسنار اور مولبی جی سماج کی وہی چیلیں ہیں۔جو 'سندریا' چمارن کے گرد منڈلاتی دکھائی دیتی ہیں۔سماجی زندگی کا شعور،لوگوں کے دکھ ،بے بسی،تنہائی،ڈاحب حیثیت اور صاحب اقتدار لوگوں کی بے حسی اور چشم پوشی خدیجہ کے افسانہ "ہوس" میں بھی نظر آتی ہے۔اس افسانہ سے اک اقتباس ملاحظہ ہو:

غریب گھرانے کا گریجوایٹ،کوئی کیوں سمجھے کہ اسٹیشن پر منڈلاتے ہوئے قلیوں اور بارلادنے والے والے خچروں سے کچھ زیادہ ہی بوجھ اٹھاتا ہے۔پھر اگر لوگ اسی پر رحم کھانے لگیں،توآخر پیٹ کہاں سے بھریں؟کوئی اللہ میاں توبلندی سے پستی کی طرف آکر غریبوں کا پیٹ بھرنے سے رہے۔یابیچاری حکومت توان کے پیچھے ماری ماری پھرنے سے رہی۔ اگروہ ایسا کرے بھی تو بھلا اسے حکومت کون کہے گا؟اور اگر اللہ میاں پستی کی طرف آنے لگے تو انہیں کون اللہ میاں مانے گا۔"(۱۸)

نچلے طبقے کی بھوک اور ناداری کا ذکر وہ اپنے افسانہ "موہنی" میں کچھ اس انداز سے کرتی دکھائی دیتی ہیں:

"بچہ ایں ایں کراس کے پلو میں بندھے روپوں کو کھینچنے لگا۔جیسے کہ وہ کہہ رہاہو کہ آج تو دو پیسے کا دودھ ہم کو بھی پلادیجو،روٹی کے روکھے ٹکڑے میرے پیٹ میں گڑتے ہیں"(۱۹)

خدیجہ کی طرح ہاجرہ کے ہاں بھی غریب طبقے کی معاشی حالت،خارجی زندگی کے مسائل ومشکلات،سرمایہ دارانہ نظام کے استحصالی رویے اور معاشی وسماجی تفاوت جیسے موضوعات بکثرت ملتے ہیں۔ہاجرہ مسرور کے ہاں اکثر جگہوں پر بصیرت اور زرف نگاری کا ثبوت ملتا ہے۔ان کے ہاں وفور جذبات سے مغلوب ہو کر محبت کی ناکامیوں،رومان انگیزی اور کچی عمر کے جذبات کی عکاسی کم ہے۔ان کے ہاں ترقی پسند تحریک سے نظریاتی اور عملی وابستگی کی بنیاد پر سماجی حقیقت نگاری کے نمونے ملتے ہیں۔ابتداء ہی سے ہاجرہ کا موضوع حقیقی زندگی رہا۔ادب میں افادیت کی قائل ہونے کے سبب لکھتے وقت ان کے سامنے ایک مقصد ہوتا تھا۔نچلے طبقے کی بھوک،افلاس اور محرومیوں کو انہوں نے بہت قریب سے دیکھا تھا۔لہذا سماج کے نچلے اور متوسط طبقے کی زندگی کو انہوں نے اپنا موضوع بنایا۔ان کے ہاں فرد کے انفرادی مسائل سے زیادہ انبوہ کی بے اعتدالیوں اور زوال کی داستانیں ملتی ہیں۔اور اس سماج کے خلاف احتجاج کا جذبہ بھی جوان کے افسانوں میں ولن کا کردار ادا کرتا ہے۔اس سلسلے میں "گیند،بیکار،بھالو،کاروبار،ایک بچی،سرگوشیاں،کتے،چراغ کی لو اور بندر کا گھاو ان کے قابل ذکر افسانے ہیں۔

Vol.6 No.3 2023

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

سماجی حقیقت نگاری اور خصوصاً نچلے طبقے کی بد حالی اور معاشی افلاس کی مکمل کہانی ان کے افسانہ "چراغ کی لو" میں ملتی ہے۔اس افسانہ میں ہاجرہ نے نچلے طبقے کی بے بسی اور ناداری کی بھرپور عکاسی کی ہے۔وہ لکھتی ہیں:

"ابھی دوسرا ہی سال تو تھا کہ باپ نے اچھن کی ماں کو بلکل ایسی حالت میں بستر پر پڑے دیکھا تھا۔کھلے ہوئے ہونٹ، پھری ہوئی پتلیاں، یہ دیکھ کر وہ بجائے رونے دھونے کے گزوں کپڑے کے پھیر میں پڑ گیا تھا۔ چیتھڑوں گدڑوں پر پڑا ہوا غریب عورت کا بے جان جسم۔۔۔۔دنیا کے قاعدے کے بموجب اسے کفن چاہیے تھا۔ گزوں نیا تھان پر سے اترا ہوا کپڑا۔۔۔۔چاہے وہ زندگی میں ایک عرصہ سے چھالٹن کے ایک گھیر گھار والے پاجامے کو ترستی ہی رہی ہو۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔"(۲۰)

ہاجرہ کو نچلے طبقے کی مہرومیوں اور ناآسودگیوں کی خوبصورت تصویریں بنانے پر بڑی قدرت حاصل ہے۔کیونکہ انہوں نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔معاشی استحصال اور طبقاتی تفاوت جیسے تلخ حقائق کو وہ اپنے افسانوں میں بخوبی بیان کرتی ہیں۔مثلاً "چراغ کی لو" میں وہ لکھتی ہیں:

"غریبوں کو امیروں کی برابری کرنے کا بس ایک ہی تو موقع ملتا ہے دنیا میں، اور وہ مرنے کے بعد کفن لینے میں۔۔۔اصل بات تو یہ ہے کہ غریب پیدا ہی اس لیے ہوتے ہیں کہ مرنے کے بعد امیروں کی برابری کر لیں۔"(۲۱)

ہاجرہ مسرور پرولتاری سماج کے سنگین المیوں اور اپنے دور کے معروضی حقائق کو اپنے افسانوں کا موضوع بناتی ہیں۔ان کے ہاں نچلے طبقے کی ذہنی پسماندگی، افلاس، ناداری اور بھوک کے مرقعے نظر آتے ہیں۔اپنے افسانہ "۔۔۔۔۔۔" میں وہ اس تلخ حقیقت کو ہمارے سامنے رکھتی ہیں کہ کس طرح غربت کے ہاتھوں مجبور یہ طبقہ پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے انسانیت کے اعلیٰ مقام سے گر جاتا ہے۔اس طبقے کا لاچار اور مجبور مرد اپنی بیوی کو اشیائے صرف کی طرح دوسروں کو استعمال کرنے کی اجازت دینے پر بھی تیار ہے۔وہ لکھتی ہیں:

"لیکن بھوک کا نشہ صاحب کی پی ہوئی شراب کے نشے سے کہیں زیادہ مدہوش کن تھا۔ نتھو بہک بہک کر سوچ رہا تھا اس میں ہرج ہی کیا ہے اگر اپنے جسم کا کپڑا ذرا دیر کو کسی دوسرے نے بھی پہن لیا۔۔۔معاوضے میں دام بھی کھرے ہو گئے اور کپڑا تو پھر اپنا ہی ہے۔"(۲۲)

ہاجرہ مسرور کے افسانے زندگی، فن اور شخصیت کے معتدل اور متوازن امتزاج کے عکاس ہیں۔ان کی کہانیوں میں حیات انسانی کی معمولی سی تبدیلی کی بھی تصاویر دکھائی دیتی ہیں۔وہ فرد کی ذہنی اور جذباتی کیفیتوں سے بھی غافل نہیں ہیں۔وہ پورے اخلاص کے ساتھ زندگی سے رشتہ جوڑتی ہیں۔ہاجرہ انسانی فکر و عمل کے ان پہلوؤں کا انتخاب کرتی ہیں۔جن پر دوسروں کی نظر نہیں پڑتی۔ مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو ہاجرہ نے ہمارے سماج کی دکھتی رگوں پر انگلیاں رکھی ہیں۔سماجی حقیقت نگاری کی ایک عمدہ مثال ہاجرہ کا افسانہ "کتے" ہے۔یہ افسانہ غذائی بھوک اور جنسی بھوک کے تصادم کی بڑی کامیاب تصویر ہے۔جب بھوک انسان کو درندگی کی منزل پر لا کر چھوڑ دیتی ہے تو اس منزل کا آخری سرا جرم تشدد اور قتل کے غیر انسانی رویوں سے جا ملتا ہے۔اس افسانے کا موضوع بھوک ہے۔بھوک جنسی ہو یا روٹی کی۔۔۔انسان کو ایسی جگی لے جاتی ہے۔جہاں بھوکے کتے اور جنسی بھوک میں مبتلا آدمی دونوں کا رویہ ایک ہی دکھائی دیتا ہے۔اور ایسے لوگوں کے درمیان معصوم اور مظلوم انسان 'للو حلوائی' کا روپ دھار لیتے ہیں۔للو حلوائی ایسے لوگوں کی علامت بن جاتا ہے جو انسانوں کی بستی میں غیر انسانی رویئے سے ہمہ وقت خوفزدہ رہتے ہیں۔

ہاجرہ کے افسانوں میں نفسیاتی ژرف بینی بھی ہے۔اور معاشرتی شعور کی گہرائی بھی۔ان کے فکر و فن ہر بحیثیت مجموعی ترقی پسند عناصر کا غلبہ ہے۔لیکن ان میں کہیں پروپیگنڈے کا رنگ پیدا نہیں ہوا۔ہاجرہ مسرور حساس اور باشعور ادیب کی طرح پرولتاری اور بورژوائی طبقے کے معاشی امتیاز، بھوک، محرومی اور سماجی ناانصافیوں پر صدائے احتجاج بلند کرتی ہیں۔مثلاً وہ اپنے افسانہ "بڑے انسان بنے بیٹھے ہو" میں لکھتی ہیں:

"ابھی بڑی بڑی چمکیلی کاریں فراٹے بھرتی موٹے موٹے تندرست لوگوں کو اڑائے لیے جا رہی ہیں۔کہ وہ ایک بوڑھا لیر کپڑوں میں کمر جھکائے چلا آ رہا ہے۔ہانپ رہا ہے۔غریب کو قدم اٹھانا دوبھر ہے۔پر چلنا تو ہے ہی۔اور کمبخت اوپر سے خوانچہ سر پر لدا ہے۔ریشمی ساریوں میں لپٹی بالوں میں پھول سجائے، چکنی جلد چمکاتی ہوئی عورتیں۔۔۔۔۔وہ سامنے کے مل سے مزدور عورتوں کا غول نکل کر سڑک پر پھیل گیا ہے۔۔۔۔۔میلے بساند کپڑے، کالی مدقوق صورتیں۔۔۔۔"(۲۳)

ایک زیرک، فعال، جری، مستعد اور جذبہ انسانی سے سرشار ادیبہ کی حیثیت سے ہاجرہ مسرور معاشرتی زندگی میں پائی جانے والی بے حسی پر گرفت کرتی ہیں۔ہاجرہ کو اس بات کا قلق تھا کہ ظالم و سفاک، موذی و مکار استحصالی عناصر نے اپنے مکر کی چالوں سے نچلے طبقے کی زندگی کی رعنائیوں کو گہنا دیا ہے۔وہ اس لرزہ خیز اعصاب شکن کیفیت پر اکثر کرب کا

Vol.6 No.3 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اظہار کرتی ہیں کہ معاشرتی اور سماجی حالات حد درجہ غیر امید افزاء ہیں۔ مفاد پرست استحصالی عناصر کے فسطائی جبر، منافقت، بے ضمیری اور موقع پرستی نے گھمبیر صورت اختیار کرلی ہے۔ ان کا مشاہدہ وسیع تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں پرولتاری سماج کی زندگی کے تمام مسائل کی عکاسی ملتی ہے۔ ہاجرہ مسرور نے سماج کے ظالم، قبیح کردار اور کریہہ چہرے بے نقاب کرنے میں کبھی تامل نہیں کیا۔ حرف صداقت لکھنا ہمیشہ ان کا نصب العین رہا۔ وہ جبر کے خلاف کھل کر لکھتی تھیں۔ کسی قسم کی مصلحت کے تحت الفاظ کو مرغولوں میں لپیٹ کر پیش کرنا ان کے ادبی مسلک کے خلاف تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ہر ظالم پر لعنت بھیجنا ہر باضمیر انسان کا شیوہ ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں ہاجرہ مسرور نے اردو افسانے کی اسی درخشاں روایت کی پاسداری کی ہے۔ جو کہ سعادت حسن منٹو، قراۃ العین حیدر، خدیجہ مستور اور عصمت چغتائی کے پیش نظر رہی۔

کائنات کے چپے چپے میں افسانہ نگار کے لیے ان گنت، بے شمار موضوعات بکھرے پڑے ہیں۔ نجانے کتنے موضوع ہر وقت افسانہ نگار کی نظر و فکر کو دعوت دیتے ہیں۔ پھر ہر افسانہ نگار کی اپنی الگ نظر ہے۔ اپنا علیحدہ سوچنے کا انداز اور ہر سوچ کا الگ نتیجہ ہے۔ اس طرح کائنات کے یہ ان گنت موضوع نہ کبھی ختم ہوتے ہیں اور نہ ان میں کبھی پرانا پن پیدا ہوتا ہے۔ بقول سید وقار عظیم:

"پرانا پن یا فرسودگی موضوع میں نہیں موضوع تلاش کرنے والی نظر میں پیدا ہو جاتی ہے۔ سوچنے والے دماغ میں پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے موضوع تلاش کرنے والے کے پاس ایک پر تجسس، پریشان اور کبھی ایک جگہ نہ رکنے والی نظر اور کبھی ایک چیز سے مطمئین نہ ہونے والا مضطرب دل ہو تو افسانہ نگار کے لیے موضوع بہت ہیں۔"(۲۴)

موضوع کے انتخاب اور افسانے کے لیے خام مواد کی فراہمی کے حوالے سے خدیجہ مستور اور ہاجرہ مسرور کے افسانوں کا جائزہ لیں تو ہمیں ان دونوں خواتین کے ہاں بیشتر موضوعات مشترکہ نظر آتے ہیں۔ اور چونکہ یہ دونوں افسانہ نگار خواتین بہنیں بھی تھیں۔ ایک جیسے ماحول میں پلی بڑھیں۔ ایک جیسے حالات کا سامنا کیا۔ اسلیے ہم دیکھتے ہیں کہ یہ دونوں خام مواد بھی مشترک رکھتی ہیں۔ موضوعات کے حوالے سے ہم ان دونوں بہنوں کو اپنے ہم عصر افسانہ نگاروں سے منفرد پاتے ہیں۔ ان دونوں افسانہ نگاروں نے جب ادب کی دنیا میں قدم رکھا اس دور میں ہمارے ادب میں اعلی طبقے کی زندگی کو موضوع بنایا جاتا تھا یا پھر متوسط طبقے کی عکاسی کا رجحان تھا۔ لیکن ان دونوں بہنوں نے اس روایت سے ہٹ کر نچلے طبقے کو اپنا موضوع بنایا۔ خدیجہ مستور اور ہاجرہ مسرور نظریاتی اور عملی اعتبار سے ترقی پسند تحریک سے وابستہ رہیں۔ اسی لیے ان کے افسانوں میں موضوعات کا سلسلہ اسی مرکزی نکتے اور دائرے کے گرد گھومتا ہے۔ وہ اپنے موضوعات کا انتخاب حقیقی زندگی سے کرتی ہیں۔ ان کے افسانوں مین نچلے طبقے کے الیے جا بجا بکھرے پڑے ہیں۔ جہاں معاشی مجبوریاں ہیں۔ دولت کی مذہبی ریاکاری ہے۔ خدیجہ اور ہاجرہ میں قوت انتخاب دور رس اور انتہا درجے کی ہے۔ ان کے بیشتر افسانے لکھنئو کے متوسط طبقے کی بڑی بوڑھیوں، نچلے طبقے کی اقتصادی بدحالی میں مبتلا خاندانوں، سرمایہ داری اور جاگیر داری نظام کے شکنجوں میں کسے ہوئے مظلوم نوکروں، پیار اور توجہ سے محروم بچوں، زندگی کی بنیادی آسائشات اور ہر طرح کی نعمتوں سے محروم مفلس لوگوں کے مسائل کی عکاسی کرتے ہیں۔ یہ موضوعات ایسے ہیں جو ہمارے آپ کے معاشرے میں بسنے والے ہر انسان کے مسائل ہیں۔ یہ سب ہمارے معاشرے کے رستے ناسور ہیں۔ لیکن ان دونوں افسانہ نگار بہنوں نے ان کو اک نئی جہت میں ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ سید وقار عظیم اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"ہاجرہ کے افسانوں میں موضوع تو عام زندگی کے ہیں۔ لیکن ان کے فن میں عمومیت کہیں نہیں۔ وہ فنی نقطہ نظر سے ضروری اور غیر ضروری۔ اہم اور غیر اہم میں امتیاز کرنا جانتی ہیں۔"(۲۵)

رسالہ افکار کا ایک تراشا ملاحظہ کریں۔ جو خدیجہ مستور کے فن اور موضوعات کے حوالے سے افسانہ نمبر میں شائع ہوا:

"کسی افسانے کی عظمت اور اہمیت کا اندازہ زندگی پر اس کی گرفت، قوت مشاہدہ، فنی چابکدستی اور مقصد کی بلندی ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ خدیجہ میں یہ سب صفات موجود ہیں۔ وہ کہانیوں کا مواد زندگی سے حاصل کرتی ہیں۔ اس زندگی سے جو لالہ و گل کی سی بیتابی اور اضطراب کے ساتھ نئے نئے انداز اور دلفریب طریقوں سے سامنے آنے کے لیے مچلتی رہتی ہے۔۔۔۔۔ اس زندگی کے ہر پہلو کو خدیجہ مستور نے اپنے موضوعات کے طور پر استعمال کیا ہے۔"(۲۶)

حاصل کلام:

Vol.6 No.3 2023

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

ہم دیکھتے ہیں کی خدیجہ اور ہاجرہ کو عمر کے ابتدائی حصے میں حالات کی سنگینی نے زندگی کے تلخ حقائق سے جس طرح آشنا کیااور خلوص وریااور اچھے برے میں امتیاز کا جو سلیقہ سکھایا اس سے انہیں سماجی حقیقتوں کی دریافت میں بڑی مدد ملی۔ یہی وجہ ہے کے ان کے افسانوں کے کرداروں اور واقعات میں سچائیاں جھلکتی ہیں۔اور ہم ایسا محسوس کرتے ہیں کہ اس طبقے کے لوگوں سے انفرادی اور اجتمائی دونوں سطحوں پر اچھی طرح واقف ہیں۔ان کے افسانوں میں ہمیں انسانی جذبات واحساسات،ان کے مسائل،عادات وخصائل وغیرہ کا گہرا مشاہدہ نظر آتا ہے۔انہوں نے اپنے افسانوں میں خاص طور پر نچلے طبقے کو پیش کیا ہے۔چونکہ ان دونوں بہنوں کو بچپن سے ہی اس طبقے کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔اس سے ان کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ جہاں ان کے دل میں سماض کے نچلے طبقے کو اپنے سے کمتر سمجھنے ےاان سے نفرت کرنے کی بجائے ان کے لیے ہمدردی اور محبت کے جذبات پیدا ہوئے۔ وہاں ان کے رہن سہن ان کے کردار،عادات ان کے معاشی و معاشرتی حالات و مسائل کو بھی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔اس عمل نے ان کی نظر بنانے اور ان کے شعور کو سماجی حقائق سے آشنا کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ چنانچہ انہوں نے جب اپنے ان تجربوں اور مشاہدوں کو اپنے افسانوں میں ڈھالا تو سچائی نے ان کے فن کو اعتبار کی روشنی عطا کی اور ہر آن بدلتی ہوئی زندگی کی دھوپ چھاوں سے آراستہ کیا۔خدیجہ مستور اور ہاجرہ مسرور اردو اداب کے دو بڑے نام ہیں۔ جنہوں نے اپنی محنت شوق اور لگن سے اپنے فن کو منوایا ۔انہوں نے اردو افسانے کو نئے موضوعات دیے۔اردو افسنہ نگاری کی روائت میں جب بھی بڑے افسانہ نگاروں کا ذکر ہو گا خدیجہ اور ہاجرہ کا نام اس فہرست میں ہمیشہ شمار ہوتا رہے گا اور ان کا فن ہمیشہ زندہ رہے گا۔

Vol.6 No.3 2023
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

حواشی وحوالہ جات

1: مضمون خدیجہ مستور، بعنوان "آپ بیتی" مطبوعہ "نقوش "آپ بیتی نمبر، شمارہ 20، جنوری، فروری، لاہور: 1984ء ص 49

2: مضمون ہاجرہ مسرور، بعنوان "مختصر حالات" مطبوعہ "عالمی فروغ اردو ادب" مملوکہ: ڈاکٹر نوید طاہر (دختر ہاجرہ مسرور) دوحہ قطر: مجلس فروغ اردو ادب، 2005ء

3: قراۃ العین حیدر، "کار جہاں دراز ہے" لاہور سنگ میل پبلیکیشنز، 2010ء ص 47

4: خدیجہ مستور، "بورکا" مشمولہ "مجموعہ خدیجہ مستور" لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز 2008ء ص 32

5: ایضا ۱۲۳۴۵۶۷۸۹۹۰

6: خدیجہ مستور، " ڈولی" مشمولہ "مجموعہ خدیجہ مستور" لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز 2008ء ص 95

7: خدیجہ مستور، "تلاش گمشدہ" مشمولہ "مجموعہ خدیجہ مستور" لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز 2008ء ص 58

8: فیض احمد فیض، "دیباچہ چندروزاور" مشمولہ "مجموعہ خدیجہ مستور" لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز 2008ء ص 129

9: خدیجہ مستور، "لاشیں" مشمولہ "مجموعہ خدیجہ مستور" لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز 2008ء ص 285-286

10 : خدیجہ مستور، "راستہ" مشمولہ "خدیجہ مستور" لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز 2008ء ص 360

11: خدیجہ مستور، "پانچویں برسی" مشمولہ "مجموعہ خدیجہ مستور" لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز 2008ء ص 111

12: خدیجہ مستور، "تھکے ہارے" مشمولہ "مجموعہ خدیجہ مستور" لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز 2008ء ص 122

13: خدیجہ مستور، "ہینڈ پمپ" مشمولہ "مجموعہ خدیجہ مستور" لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز 2008ء ص 48

14: خدیجہ مستور، "چیلیں" مشمولہ "مجموعہ خدیجہ مستور" لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز 2008ء ص 292

15: ایضا ص 294

16: ایضا ص 293

17: ایضا ص 293

18: خدیجہ مستور، "ہوس" مشمولہ "مجموعہ خدیجہ مستور" لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز 2008ء ص 88

19: خدیجہ مستور، "موہنی" مشمولہ "مجموعہ خدیجہ مستور" لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز 2008ء ص 95

20: ہاجرہ مسرور، "چراغ کی لو" مشمولہ "سب افسانے میرے" لاہور سنگ میل پبلیکشنز 2015ء ص 167

21: ایضا

22: ہاجرہ مسرور، "کوٹھی اور کوٹھڑی" مشمولہ "سب افسانے میرے" لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز 2015ء ص 713

23: ہاجرہ مسرور، "بڑے انسان بنے بیٹھے ہو" مشمولہ "سب افسانے میرے" لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز 2015ء ص 611-612

24: وقار عظیم سید، "فن افسانہ نگاری" لاہور: الوقار پبلیکیشنز 2016ء ص 31

25: وقار عظیم سید، "فن افسانہ نگاری" لاہور: الوقار پبلیکیشنز 2016ء ص 40

26: بحوالہ، صائمہ نورین، "بیسویں صدی میں خواتین کی اردو افسانہ نگاری" (مقالہ ایم۔فل اردو 1998ء) مخزونہ، لاہور: پنجاب یونیورسٹی ص 127